آزاد بحیثیت محقّق

ناہید ناز

ABSTRACT:

Muhammad Hussain Aazad (10th June, 1830- 22nd Jan. 1910) was the son of Maulvi Muhammad Baqir (1810-1857), the grads of Dehli Urdu College (1825), the super ordinary student of the poet Muhammad Ibrahim Zoq (1788-1854) the victim of the war of 1857 and the dement during the last score of his age from 1890 to 1910.

As an essay wright, poet, critic, historian, narrator and researcher, he had a unique multidimensional approach. He began the modern poetry consists of reality and unequivocality of life instead of unrealistic poetry full of despise and remote similarities and metaphors, under the patronage of Anjuman-e- Ishaat-e-Matalib-e-Mufeeda Punjab (1865). Aab-e-Hayat (1880), Darbar-e- Akbari (1898), Sukhandan-e- Faris (1907), Qassas-e-Hind Volume 2 (1868), Nerang-e-Khayal (1880), Tadveen-e-Diwan-e-Zoq (1891), Nigaristan-e-Faris (1922) are his creative achievements. Credibility is the hallmark of his works as an essay wright but as a researcher, his status has always been wavering.

The critics and researchers have been trying to determine his status as a researcher logically. Sometimes these attitudes of applause and despise are moderate and sometimes are mount to extreme.

This article is an attempt to determine the status of Azad as a researcher

محمد حسین آزاد ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ بمطابق ۱۰ جون ۱۸۳۰ء بروز جمعرات دہلی میں پیدا ہوئے (۱) ان کے والد کا نام محمد باقر تھا جن کا شمار دہلی کی ممتاز شخصیتوں میں ہوتا تھا ۔ابھی آزاد تین چار برس کے تھے کہ ان کی والدہ امانی بیگم کا انتقال ہو گیا ۔والدہ کے انتقال کے بعد ان کی پرورش اُن کی پھوپھی نے کی (۲) ۔آزاد کے والد مولوی محمد باقر کاروباری مصروفیا ت کی بنا پر آزاد کی نوشت و خواند کا پورا انتظام نہ کر سکے ۔ان کے دادا مولوی محمد اکبر دیسی طرز پر مکتب پڑھاتے تو انہیں بھی ساتھ لے جاتے جہاں آزاد نے کچھ مذہبی اور درسی کتب پڑھیں (۳) مکتبی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آزاد ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کے لیے بھیجے گئے (۴) ۔آزاد زمانہ طالب علمی ہی میں عام دل چسپی کے موضوعات پر مضامین لکھتے ۔کالج کے مضمون نویسی کے مقابلوں میں حصہ لیتے اور انعامات حاصل کرتے ۔اس کی وجہ یہی تھی کہ آزاد اپنے والد کے اخبار ’’دہلی اردو کالج ‘‘ میں شائع شدہ علمی و ادبی مضا مین کا مطالعہ کرتے تھے ۔ساتھ ہی ساتھ انہیں محمد ابراہیم ذوق (۱۷۸۸ء ۔۱۹۵۴ء ) کی صحبت بھی میسّر آئی ،جس نے عقیدت کی صورت اختیار کر لی اور عقیدت کا یہ اظہار آزاد کی تحریروں (آب حیات ، دیوان ِ ذوق ) میں جابجا موجود ہے ۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے آزاد کو ذہنی طور پر منتشر کر دیا ۔مسٹر ٹیلر کی موت کے الزام میں محمد باقر کو پھانسی دے دی گئی ۔آزاد کے خلاف بھی وارنٹ کٹ گیا ۔وہ بائیس نیم جانوں کے ساتھ دہلی سے نکل کر اہل خانہ کو سونی پت بھیج دیااور خود لکھنئو چلے گئے (۵) ۔لکھنئو سے مدراس ،نیل گری ،بمبئی اور مالوے میں قیام کرتے ہوئے جنید پہنچے اور دفتر فوجداری میں محافظ دفتر مقرر ہو گئے (۶) ۔کچھ عرصہ جگرائوں رہے انہیں وہاں اپنا مستقبل تاریک نظر آیاتو ۱۸۶۱ء میں لاہور آگئے (۷) ۔ یہاں ۱۱ جولائی ۱۸۶۱ء کو پوسٹ ماسٹر جنرل کے دفتر میں نائب سر رشتہ دار (ڈائریکٹر ) کی نوکری کی ۔دسمبر ۱۸۶۲ء تک ڈاک کے محکمے میں رہے۔ ۱۸۶۴ء میں محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے ۔جہاں انہوں نے یکم جنوری ۱۸۶۴ء سے ۲۵ مئی ۱۸۶۴ء تک بطور نائب سر رشتہ دار جبکہ ۲۶ مئی ۱۸۶۴ء سے جولائی ۱۸۶۵ء تک بطور محرّر کام کیا ۔

۱۸۶۴ ء ہی میں ڈاکٹر لائٹنر ،(Gottlieb Wilhelm Litener) (۱۴ اکتوبر۱۸۴۰ء۔۱۸۹۹ء )بھی گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل منتخب ہوئے ۔’لائٹنر ‘ آزاد کی ذہانت و فطانت ،اصابت رائے اور علمی و تنقیدی صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا اور آزاد نے بھی لائٹنر سے اثرات قبول کیے۔ آزاد اس زمانے میں ملازمت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو اردو پڑھانے کا کام بھی کرتے تھے ،یہی چیز ان کے اور لائٹنر کے تعارف کا باعث ہوئی (۸)۔ ’’انجمن اشاعت مطالب مفیدہ عام پنجاب ‘‘ (۱۸۶۵ء)جو ’’ انجمن پنجاب ‘‘ کے نام سے معروف ہوئی ،۱۸۶۷ء میں ڈاکٹر جی۔ڈبلیو لائٹنر کی تجویز پر انھیں انجمن پنجاب کا سیکر ٹری مقرر کیا گیا (۹)۔جہاں سے انہوں نے جدید شاعری ،نظم نگاری کی ابتدا کی ۔

آزاد کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ترکستان کا سیاسی سفر تھا ۔حکومت ہند کو خدشہ تھا کہ کہیں روس ہندوستان پر حملہ آور نہ ہوجائے ۔چنانچہ اس خطرے کے سد باب کے طور پر ایک خفیہ مشن ان ممالک میں بھیجا گیا تاکہ صورت حال کی بابت چشم دیداطلاعات فراہم ہو سکیں ۔اس سفر کاآغاز جولائی ۱۸۶۵ء میں ہوا اور مارچ ۱۸۶۶ء میں ختم ہوا (۱۰) ۔۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء کو محکمہ تعلیمات میں مسٹر پیئر سن (Mr.Pearson) کے اسسٹنٹ کی حیثیت ایک نئی تاریخ ہند اور دوسری درسی کتب کی تیاری میں مدد کے لیے مامور کیا گیا ۔اس عرصے میں آزاد اپنے فرائض کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر انگریزوں کو اردو بھی پڑھا رہے تھے ۔اس دور کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آزاد نے اردو اور فارسی کی ریڈریں بھی لکھیں جو کم و بیش نوّے سال تک پرائمری جماعتوں کے نصاب میں شامل رہیں (۱۱) ۔۲۳ ستمبر ۱۸۸۵ء کو آزاد نے ایران کا سفر کیا ،جس کا مقصد کتب کی خریداری تھا ۔

آزاد کی ساری زندگی محنت و مصائب میں گزری ۔پے در پے آزمائش و آفات نے انہیں ذہنی ،جسمانی ،روحانی اور مادی طور پر مضطرب ہی رکھا ۔وہ اندرونی اور بیرونی خلفشار کا شکار رہے ۔اپنے اوپر نقاب بھی چڑھانا پڑا اور اندرونی کرب اور خلش چین بھی نہ لینے دیتی تھی ۔دنیا داری کے تقاضے بھی نبھانے تھے۔۔لہذا اندرون اور بیرون کی آویزش و پیکار نے انہیں مردم بیزاری ،بے خوابی ،بے چینی میں مبتلا کردیا جو بالآخر ’’جنون ‘‘ پر منتج ہوا ۔ابتدا میں جنوں و ہوش مندی ساتھ ساتھ رہیں ۔اسی بنا پر ۶ جنوری ۱۸۹۰ء کو ریٹائرڈ کردیے گئے ۔اسی عالم جنوں میں تقریباََ بیس سال زندہ رہے اور مسلسل لکھتے رہے ۔اسی عالم میں آزاد نے نواسی رسالے لکھے ۔جن کی کتابت سے جلد بندی اور تزئین و آرائش تک تمام کام انہوں نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا (۱۲) ۔۱۸۵۷ء کے حادثات نے آزاد کے اعصابی خلیوں (nerve cells) کو شدید نقصان پہنچایا ،یہ حادثات ان کے لاشعور میں ایک کربناک اذیت کی شکل میں دم آخر تک موجود رہے (۱۳) ۔آزاد کے بیٹے آغا محمد ابراہیم اور دیگر اعزاء نے کافی علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا اور آزاد اِسی عالم جنوں میں ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء کو انتقال فرما گے ۔

آزاد کی تصانیف میں ادب ،تاریخ ،لسانیات ،فلسفہ ،صحافت ،درسی کتب ،تذکرے اور نظم شامل ہیں ۔یوں تو آزاد کی سینکڑوں کتب ہیں لیکن معروفِ زمانہ درج ذیل ہیں :

٭ قصص ہند، جلد دوم (۱۸۶۸ء )

٭ دربارِ اکبری (۱۸۹۸ء)

٭ آب حیات (۱۸۸۰ء)

٭ نیرنگ خیال (پہلا حصہ ۱۸۸۰ء ، دوسرا ۱۸۸۳ء )

٭ سخن دان ِ فارس ( آزاد کے لیکچروں کا مجموعہ ،حصّہ اوّل ۱۸۷۲ء ، دونوں مجموعے ،۱۹۰۷ء )

٭ دیوان ِ ذوق ( مرتّبہ ) (ذوق کے کلام کا مجموعہ ۔۱۸۹۱ء )

محمد حسین آزاد بحیثیت ادیب، انشاء پرداز مانی ہوئی شخصیت ہیں ، جن کے پر تخیل اور رنگین اسلوب ِ نگارش پر سب متفق ہیں ۔ جہاں تک آزاد بحیثیت نقّاد اور محقق تعلق ہے ،اس بارے میں دو رائیں ملتی ہیں ۔ بقول قاضی عبدالودود :

’’ اکثریت آزاد کی نثاری کی معترف ہے ، مگر یہ تسلیم کرنے کو تیارنہیں کہ وہ تحقیق کے مردِ میدان تھے ۔اقلیت مصر ہے کہ وہ صرف ایک بڑے انشا پرداز ہی ہیں ،ایک بڑے محقق بھی تھے…‘‘(۱۴)

اس کی بنیادی وجہ آزاد کی شخصیت کا ایک لازمی جز و، ماضی کے ساتھ والہانہ لگائو ہے اور یہی لگائوو آزاد کو ماضی کی رومانی ،کیف اندوز فضا سے باہر نکلنے نہیں دیتی ۔’’آزاد کی جبلّت کا ریشہ ریشہ ماضی میں کچھ اس طرح پیوست ہے کہ ان کے عہد کا تنقیدی رجحان ،ان کے ماضی کے ساتھ رومانی دل بستگی سے دست و گریبان ہے(۱۵)۔ اس دوئی کا نتیجہ یہ ہے کہ آزاد ایک ہی سطح پر قائم نہیں رہ سکتے ۔وہ دو دنیائوں میں ڈانواں ڈول رہتے ہیں ،کبھی رومانی ،کبھی تنقیدی (۱۶) ۔یہی وجہ ہے کہ آزاد کی تحقیق میں رومانیت ،تخّیّل ،رنگینی ادا کا غلبہ ،تحقیق کو مبالغہ آمیز بنا دیتا ہے ۔اگرچہ بقول ڈاکٹر سلیم اختر :

’’ آزاد کو آج کے کڑے تحقیقی اُصول و ضوابط پر پرکھنا ،آزاد کے ساتھ ناانصافی ہے ۔جس عہد میں آزاد ’’ آب حیات ‘‘ دربارِ اکبری یا سخن دان ِ فارس لکھ رہے تھے ،اس عہد کے تحقیقی و تنقیدی معیار کیا تھے ؟اُس ادبی ، تنقیدی اور تحقیقی فضا اور اس کے پس منظر میں رہ کر آزاد کی تحقیق و تنقید کو پرکھنا چاہیے ،نہ کہ آج کے معیار پر۔‘‘(۱۷)

کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی ادیب بھی آج سے ساٹھ سال پہلے ۱۹۵۳ء میں کرتے ہوئے آزاد کا دفاع کرتے ہیں :

’’آزاد کے بیش تر بیانات مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں مگر انہوں نے معمّر اور معتبر بزرگوں سے جو کچھ سنا تھا، اس کو بھی اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے ۔ہمارے ممتازشعراء سے متعلق جو روایتیں سینہ بہ سینہ چلی آرہی تھیں اُن کو محفوظ کر دینابھی ایک اہم ادبی خدمت تھی ۔آزاد کے زمانے تک یہ دستور نہ تھا کہ جو بات کہی جائے اُ س کے لیے سند پیش کی جائے اور ماخذ کا حوالہ دیا جائے ۔انھوں نے بھی بہت سی چیزیں نہایت معتبرماخذوں سے لی ہیں ،مگر اکثر مقامات پر اُن کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی ۔‘‘(۱۸)

دراصل آزاد کی تحریری کتب بالخصوص ’’آب حیات‘‘ پر سب سے زیادہ اعتراضات لگائے گئے ۔متعدد ناقدین اور محققین نے سنین ،واقعات، اشعار اور دیگر اغلاط و نقائص کی نشان دہی کرکے ’’ آب حیات ‘‘ کی تحقیقی حیثیت متعین کی ہے ۔جن میں سے بیش تر نقاد اور محققین پہلے سے اخذ کردہ تنقیدی نظریے کے تحت ہی آزاد کی تحریروں کا جائزہ لیتے رہے ۔اسی بنا پر افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ۔جہاں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب اور ڈاکٹر محمد صادق، آزاد کی حمایت میں دلائل و براہین اکھٹے کرتے ہیں تو ڈاکٹر عبدالودود ،آزاد کی تحریروں میں سے کم و بیش تین سو اغلاط نکال آزاد کی تحقیقی حیثیت کو کم تر بنا دیتے ہیں ۔گویا ہر محقق اور نقاد کے ذاتی رجحانات اور انداز ِ نظر جو پہلے سے متعین تھے ، انہی کی تائید میں دلائل و اسناد اکھٹے کرتے رہے ۔’’آب حیات ‘‘ کی وجہ تصنیف کے بارے میں ڈاکٹر محمد صادق لکھتے ہیں :

’’ اُردو شاعری کا تاریخی جائزہ ان کا بہت پرانا اور محبوب موضوع رہا ہے ،جب ’’بغاوت ِ ہند ‘‘ کے باعث پرانا نظام ناپید ہو گیا تو یہ شوق مقدس فریضہ بن گیا تاکہ دورِ کہن کو ادبی شکل میں حیات ِ تازہ عطا کی جائے ‘‘( ۱۹)

اور یہی وہ مقصد تھا جس کی بابت محمد حسین آزاد نے بھی دیباچے میں اشارہ کیا ہے :

’’ …جن جوہریوں کے ذریعے یہ جواہرات مجھ تک پہنچے ،وہ تو خاک میں مل گئے ۔جو لوگ باقی ہیں وہ بجھے چراغوں کی طرح ایسے ویرانوں میں پڑے ہیں کہ ان کو روشن کرنے کی یا ان سے روشنی لینے کی پرواہ نہیں …‘‘(۲۰)

مزید لکھتے ہیں :

’’……خیالات ِ مذکورہ نے مجھ پر واجب کیا کہ جو حالات ان بزرگوں کے معلوم ہیں یا مختلف تذکروں میں متفرق موجود ہیں ۔انہیں جمع کر کے ایک جگہ لکھوں اور جہاں تک ممکن ہو،اس طرح لکھوں کہ ان کی زندگی کی بولتی چالتی ،پھرتی چلتی تصویریں سامنے آن کھڑی ہوں اور انہیں حیات ِ جاوداں حاصل ہو ‘‘(۲۱)

لہٰذا ثابت ہواکہ آزاد کے ’’آب حیات‘‘ لکھنے کا مقصد تحقیق و تنقید کے میدان میں کوئی شاہکار تصنیف کرنا نہیں تھا بلکہ اُن اسلاف کے مرقعوں کو معاشرتی ،تہذیبی اور ادبی پس منظر کے ساتھ زندہ جاوید کر دینا تھا ،کہ بعد میں اُن شعرائے اسلاف کے فقط دیوان ہی نہ پڑھے جائیں بلکہ دیواوین کے ساتھ ساتھ ان کی عصری و ادبی پس منظر، معاشرتی و تہذیبی فضا، مجالس و آداب ِ مجالس، طرزِ گفتگو و نشست و برخاست، مثبت و منفی رویوں کی جھلکیاں حتیٰ کہ اسلاف کے چہرے مہرے ،ناک نقشے اور لباس و پوشاک کے زندہ مناظر بھی آئندہ نسلوں کے سامنے جلوہ آراء ہوں ۔ آزاد کے’’ آب حیات ‘‘ میں سنین کی اغلاط بھی ہیں ،واقعاتی اغلاط بھی ہیں ،مبالغہ آرائی بھی ہے ،اشعار کی اغلاط بھی ہیں لیکن آزاد کے پیش نظر محض ’’اسلاف کے معاشرتی و ادبی فضا ‘‘ کو حیات ِ جاودانی عطا کرنا تھا ۔

’’آب حیات ‘‘ پر سب سے پہلا تبصرہ ’’انجمن ‘‘ اخبار مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۸۱ء میں کیا گیا جس میں کتاب پر تعریفی کلمات کے بعد جن اغلاط کی طرف نشان دہی کی گئی ان میں ’’بعض ہندی الفاظ کی سنسکرت غلط لکھی گئی ہے،آگرہ والے نظم گو (نظیر اکبر آبادی ) کو قلم انداز کیاگیا ہے ،مومن دہلی والے شعرائے اردو کی فہرست سے خارج ہیں ‘‘جیسے اعتراضات کیے گئے ہیں (۲۲) ۔

یہی معاصر تبصرہ ’’آب حیات ‘‘ پر بہترین تبصرہ ہے ،اس لیے کہ تبصرہ نگار اُس عہد کے تحقیقی و تنقیدی اصول و ضوابط سے آگاہ تھا۔’’آب حیات ‘‘ پر پچاس ،ساٹھ سال بعد میں کئے گئے اعتراضات و نقائص کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ناقدین و محققین نے ’’آب حیات ‘‘ کو اپنے دور کے تحقیقی اصولوں پر پرکھا۔ ’’آب حیات ‘‘ کو مکمل یا تنقید کی کتاب بنا پر اعتراضات کی بھرمار کر دی اوردیباچے میں موجود آزاد کی تحریر کردہ وجہ تصنیف کو نہ دیکھا ۔قاضی عبدالودود نے ’’محمد حسین آزاد ۔بحیثیت محقق‘‘ ّ(۴۳۔۱۹۴۲ء) کتابچہ قلم بند کر کے آزاد کی پانچ تصانیف (آب حیات ، سخن دان ِ فارس ،نیرنگ خیال ، نگارستان ِ فارس اور دیوان ِ ذوق ( مرتبہ آزاد ) پر تین سو (۳۰۰) اعتراضات لگا کر ،آزاد کا بحیثیت محقق مقام متعین کیا ہے ۔یہ اغلاط بیش تر واقعاتی ہیں ۔آزاد کے متذکرہ بیانات کی تردید میں قاضی صاحب نے مستند حوالے اور دلائل دے کر ان بیانات کی تصحیح کی ہے ۔قاضی عبدالودود نے ایک محقق کی حیثیت سے متعیّنہ اصول و قواعد کے مطابق آزاد کو بطور ِ محقق دیکھنے کی کوشش کی ہے ۔اِ ن اغلاط شماریوں سے تو واضح طور پر یہ نتیجہ اخذہوتا ہے کہ آزاد تحقیق کے مرد میدان نہ تھے بلکہ بلند پایہ انشا پرداز ہی تھے ۔لیکن قاضی صاحب نے اپنے دور کی کڑی تحقیقی روشوں کے پیمانے پر آزاد کو پرکھا ہے اور نتیجہ اخذ کر دیا ،آزاد کے عہد میں مراجعت نہ کی۔ اس کے ادبی ماحول ،معاشرتی تناظر ،دستیاب مآخذ اور وسیلوں کو نہ دیکھا ۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب آزاد کی تحقیقی غلطیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ’’آزاد کی تحقیق میں غلطیاں ممکن ہیں اور کسی محقق کو غلطیوں سے مفر نہیں ۔لیکن جو لوگ تحقیق کی غلطی اور افسانے کا فرق سمجھتے ہیں ان کی نظر میں آزاد محقق ہی ٹھہرتے ہیں ۔(۲۳) ۔لہذا تحقیقی اغلاط سے کوئی محقق ،محققین کی صف سے باہر نہیں نکل جاتا ۔

حافظ محمود خان کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ ’’آزاد نے اپنے مندرجات کے حوالے بالالتزام نہیں دیے۔‘‘(۲۴) خاص کر ’’مجموعہ نغز ‘‘ کے سامنے آجانے سے تو یہ بات کھل گئی کہ آزاد نے بیش تر واقعات کی بنیاد ’’مجموعہ نغز ‘‘ میں موجود واقعات پر ہی رکھی ہے ۔اگرچہ مولانانے بعض جگہ ’’مجموعہ نغز ‘‘ کے حوالے دیے ہیں تاہم بیش تر مقامات پر انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی ۔چناں چہ یہ سب باتیں مولانا کے پرواز تخیل کے نتائج میں شامل کر دی گئیں ‘‘(۲۵) ۔

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ آزاد کے دور میں ہر بات کی سند لا نے کے لیے حوالے دینے کا دستور نہ تھاجیسا کہ اب ہے ۔لہذاآزاد اِ س الزام سے بری ہو جاتے ہیں کہ ہر بات کا حوالہ نہیں دیا ہے لیکن بقول مظہر محمودشیرانی :’’یقینی امر ہے کہ آخر کا رمولانا کے بیانات کا ایک قابل لحاظ حصہ ایسا باقی رہ جائے گا جس کی مسئولیت صرف اور صرف آزاد کے دوش پر ہو گی ۔اس قضئے کا زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ مولانا نے بعض مخصوص مقاصد کے حصول کی غرض سے متعدد واقعات وضع کیے اور ان کو اپنی شیریں گفتاری کے ساتھ ترکیب دے کر ڈرامائی انداز میں پیش کر دیا ۔آزاد کو اچھا محقق تسلیم کرنے کی راہ میں یہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔‘‘(۲۶)

حافظ محمود شیرانی نے ’’آب حیات ‘‘ پر تنقید میں جو اعتراضات اٹھائے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں :

شعراء کے درمیان رقابت اور مقابلے کا پہلو ،زمانی اعتبار سے مختلف شعراء کے تذکرے میں تقدیم و تاخیر ،بے بنیاد بیانات ، غلط لسانی نظریات، الفاظ کی تحقیق میں اغلاط ، سنین و تاریخ پر مبنی اغلاط ،شعراء کے ناموں کی غلطیاں ، متنی تحقیق میں کوتاہی ، متن میں اصلاح و اضافے ، اپنے مآخذ کا حوالہ نہ دینا ،کتاب دیکھے بغیر حوالہ دینا ، مآخذ میں موجود بیانات میں ردو بدل ،فقط اپنے حافظے پر اعتماد ،پروپیگنڈے پر اعتبار ،ناقدانہ آراء میں بے اعتدالی ،زیب ِ داستان کے لیے اضافے ، مذہبی عصبیت، سادات پرستی ،استاد پرستی ،سنی سنائی باتوں پر اعتبار ۔‘‘(۲۷)

ظاہر ہے کہ یہ اعتراضات بہت سخت اور کڑے ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا ۔چند ایک کے رد میں تاویلیں دی جا سکتی ہیں ۔جیسے سادات پرستی ، استاد پرستی،مآخذ کا حوالہ نہ دینا ، مذہبی عصبیت ، شعراء کے درمیان رقابت اور مقابلے کا پہلو ،زمانی اعتبار سے مختلف شعراء کے تذکرے میں تقدیم و تاخیر، اور اکثر ناقدین اور محققین نے ان کی تردید میں دلائل بھی دیے ہیں ۔مولوی عبدالحق لکھتے ہیں :

’’آزاد مرحوم کی آب حیات اپنی بعض واقعاتی غلطیوں کے باوجود اردو زبان میں ایک خاص پایہ رکھتی ہے … آزاد مرحوم کا یہ کیا کم احسان ہے کہ اس نے سب سے پہلے تاریخ ِ ادب لکھنے کا ڈول ڈالا اور ہمیں یہ خیال سمجھایا ۔ بے شک آزاد کی غلطیوں کو دکھائیے لیکن اس پر لعن طعن کی بوچھاڑ نہ کیجئے ،خصوصاََ ناروا اور بے جا ۔‘‘(۲۸)

سیّد مسعود حسن رضوی ادیب ’’آزاد کے ساتھ بے انصافی ‘‘ کے موضوع پر لکھتے ہیں :

’’حقیقت یہ کہ جس محنت اور جتنی تحقیق سے آب حیات لکھی گئی ہے ،اس کی مثالیں اُردو کے کتابی ذخیرے میں بہت کم ہیں ۔مگر اس کے صلے میں مصنف کو کیا ملا؟طعن و تشنیع کے نشتر ،سب و شتم کے تیر ، الزام و اتہام کی بر چھیاں !……جس شخص نے اُردو کی خدمت میں جان کھپا دی،اپنی بے نظیر تصنیفوں سے اُردو کو مالامال کر دیا ،اردو ادب و شعر کی اصلاح و ترقی کے راستے دکھائے ،جس نے آب حیات کی سی پراز معلومات اور زندہ جاوید کتاب دی ، اس کی ساری محنتوں پر بے دردانہ تنقید اور بے بنیاد الزامات سے پانی پھیر دینا احسان فراموشی کی انتہا ہے ۔‘‘(۲۹)

درج بالا بیانات اپنی جگہ درست ،لیکن جب بات تحقیقی اغلاط کی ہوتی ہے تو پھر ان اعتراضات میں صداقت بھی نظر آتی ہے ۔

جس طرح آزاد پر یہ اعتراض لگایا جاتا ہے کہ ’’ترتیب ِ دیوان ذوق ‘‘ میں انہوں نے کم و بیش بیس غزلوں اور تین قصیدوں میں اپنی طرف سے ’’ترامیم و اصلاحات ‘‘ کی ہیں ۔بعینہ ’’آب حیات میں مندرج اشعار میں بھی آزاد نے واقعات کی پیش کش اور اشعار کے متون میں جابجا خود ساختہ تبدیلیاں کی ہیں ۔اِن کے پس ِ پشت محرکات کے حوالے سے ڈاکٹرابرار عبدالسلا م لکھتے ہیں :

’’آب حیات میں مذکور واقعات اور مندرج اشعار میں آزاد کی خود ساختہ تبدیلیوں کے کئی محرکات ہیں ۔کہیں ان تبدیلیوں کا محرک آزاد کی پسندیدگی یا ناپسند یدگی میں تلاش کیا جا سکتا ہے تو کہیں کسی شاعر کی ادبی ساکھ کو مجروح کرنے یا اسے مقام ِ بلند عطا کرنے میں مضمر ہے ۔کہیں ان اصلاحوں کا مقصد اپنی مرضی کے نتائج برآمد کرنا ہیں تو کہیں اپنے اعتراض کی گنجائش پیداکرنا ۔آزاد کے اس عمل نے ایک طرف ان کی محققانہ حیثیت کو مجروح کیا ہے تو دوسری طرف اس کے عواقب ان کے اہل خانہ کو مطعون ہونے کی صورت میں بھگتنا پڑے۔ ‘‘(۳۰)

ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے ثبوت کے طور پر خواجہ حیدر علی آتش ،شیخ امام بخش ناسخ ،مرزا مظہر ،سودا ،میر ،درد ،قائم ،مصحفی کے اشعار کے متون میں ’’حسب ِ منشا‘‘ ترامیم واصلاحات کردہ اشعار نقل کیے ہیں ۔جوآزاد کی پر تخیل زور ِ طبع کا ثبوت ہیں ۔ یہاں ’’آزاد کا طریق واردات ایسا دلآویز ہے کہ پڑھنے والا بین السطور حقیقت کو سمجھے بغیر ان کے اسلوب کی دلآویزی میں بہہ کر آگے نکل جاتا ہے اور اسے یہ محسوس تک نہیں ہونے پاتا کہ آزاد کیا کر گزرے ہیں ۔‘‘(۳۱)

ابرار صاحب کی یہ آراء درست ہو سکتی ہیں لیکن بقول ڈاکٹر محمد صادق ’’آب حیات ‘‘ کے مآخذ پر معترضین کے جواب میں اُن خطوط کا بھی حوالہ دیا ہے جو آزاد کی درخواست پر ان کے دوست ،احباب اور معاصر شعراء و ادباء نے انہیں لکھے اور ’’آب حیات ‘‘ میں مذکور مختلف شعراء کے احوال و اشعار ارسال کیے ان میں مولوی محمد اشرف ،درگاداس ،منشی ذکاء اللہ ، علائوالدین علائی کے خطوط قابل ذکر ہیں (۳۲) ۔جن میں موجود معلومات یا اطلاعات میں آزاد نے کوئی بڑی ترمیم یا اضافہ نہ کیا،نہ رنگ آمیزی یا حاشیہ آرائی کی بلکہ بعینہ درج کر دیا ۔

یہاں ابرار صاحب کی یہ بات کہ آزاد اپنے پر تخیل یاخاص مقاصدکے تحت اشعار کے متون میں تبدیل کر لیتے تھے ،مکمل طور پر درست قرار نہیں دی جا سکتی ۔کیوں کہ آزاد کے زبانی مآخذ میں انہیں ممکن ہے کہ یہ اشعار ایسے ہی دستیاب ہوئے ہوں جیسے آب حیات میں درج ہیں لہذا بقول ڈاکٹر محمد صادق :’’ آب حیات ‘‘ میں غلطیاں ہیں لیکن ان کی ذمہ داری آزاد پر نہیں بلکہ کتاب کے مآخذ پر ہوتی ہے خواہ زبانی روایات ہوں یا تحریری مقالات‘‘(۳۳)۔ آزاد افسانہ نگار اور انشائیہ پرداز ہیں ۔اسی لیے وہ آب حیات میں غلطیاں کرجاتے ہیں ۔بقول ڈاکٹر جمیل جالبی :

’’ایک یہ کہ وہ اصول تحقیق سے ہٹ کر ،اصل مآخذ کو دیکھے بغیر سنی سنائی کچی پکی باتیں ایسے لکھ دیتے ہیں ، جیسے و ہ خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہیں ،دوسرے یہ کہ زندگی کی بولتی چالتی پھرتی چلتی تصویریں اجاگر کرنے اور قصہ میں جان ڈال کر ڈرامہ بنانے کے لیے بہت سی بے بنیاد باتیں خود گھڑ لیتے ہیں اس طرح یہ تصویر فکشن بن کر منہ سے بولنے لگتی ہے ……آب حیات پر سارے اعتراضات انھیں دو باتوں سے جنم لیتے ہیں اور آب حیات کو سند و اعتبار کے درجے سے گرا دیتے ہیں ۔‘‘(۳۴)

’’آب حیات ‘‘ کے حق و مخالفت میں دلائل و براہین اپنی جگہ درست ۔لیکن یہ امر طے ہے کہ آزاد کی آزادی طبع اور پُر تخیّل اسلوب ِ نگارش نے ان کی ناقدانہ تحقیق کو زدضرور پہنچائی ہے ۔وہ رومانیت پر فریفتہ تھے جس کا نتیجہ مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی کی صورت میں نکلا ۔اُن کی تحقیق پر جذبات حاوی ہیں وہ دوران ِ تحریر تحقیق و تنقید کرنے والے آزاد سے قلم چھین کر انشائیہ پردازی شروع کر دیتے ہیں ۔وہ ماضی کی رومان پرور فضا میں گم ہو جاتے ہیں ،تمثیل نگاری کرتے ہیں ،مرقع بناتے ہیں اور چلتی پھرتی زندگی سے بھر پور تصویریں بنا ڈالتے ہیں ۔یہی انداز ’’آب حیات ‘‘ میں بھی ہے ،’’نیرنگ خیال ‘‘ میں بھی ، ’’سخن دان ِ فارس ‘‘ ، ’’ دربارِ اکبری ‘‘،’’ تذکرہ سنین‘‘اور ’’قصص ہند ‘‘ میں بھی موجود ہے ۔بقول پروفیسر محمد منور :

’’آزاد اوّل و آخر ادیب و انشاء پرداز تھے ۔باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں ۔’’آب حیات‘‘ بھی ایک تاریخ ہے لیکن دربار اکبری کی طرح وہ بھی ایک نثری شاہکار ہے ۔’’نیرنگ خیال ‘‘ کی تصویروں میں تخیل کی کارفرمائی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور تو اور بعض جگہ تو تنقید بھی تصویروں میں کی ہے۔‘‘(۳۵)

آزاد کی تمام نثری تحریروں میں رمزیت ،تصویریت ،تجسیمیت ،رعایت لفظی ،تخیل ، مبالغہ آمیزی اور رنگینی ادا کازور نظر آتا ہے جو انہیں تحقیقی رجحانات کا حامل ہوتے ہوئے بھی تحقیق سے دُور لے جاتا ہے ۔’’مولانا آزاد کو اُرود شاعری پر سب سے زیادہ غصہ اس کے خیالی طوطوں ،مینائوں پر تھا ۔ جہاں بھی ہوا ہے تشبیہہ و استعارہ کی افراط کی مذمت کی ہے …اگر تکلف و تصنع شاعری میں ناموزوں ہے تو نثر میں یہ انداز کہیں زیادہ ناموزوں ہو گا۔‘‘ (۳۶) اور پھر تحقیق کے میدان میں تو یہ اندازِ بیاں کسی طور جائز نہیں ۔ لیکن آزاد کی نثر میں یہ تشبیہات و استعارات خون کی طرح گردش کر رہے ہوتے ہیں ۔

نیرنگ خیال ( ۱۸۸۰ء حصہ اول ) (۱۸۸۳ء )اگرچہ ’’آب حیات ‘‘ کی طرز کی ادبی تاریخ تونہیں جس کی تحقیقی قواعد وضوابط کے مطابق چھان پڑتال کی جائے ۔یہ انشائیوں یا ادبی مضامین کا مجموعہ ہے جس کے پہلے حصے میں کل آٹھ مضامین ہیں جو کہ آزاد کی زندگی میں شائع ہوا تھا ،دوسرے حصے میں پانچ مضامین کا اضافہ ہے ۔ان مضامین کے مآخذ کے حوالے سے آزاد دیباچہ میں لکھتے ہیں :

’’مَیں نے انگریزی انشائیہ پرداز وں کے خیالات سے اکثر چراغ ِ شوق روشن کیا ہے ۔بڑی بڑی کتابیں ان مطالب پر مشتمل ہیں جنہیں یہاں (ایسّے )جو اب مضمون کہتے ہیں ۔ان میں انواع و اقسام کی غرضیں ملحوظ ہیں ۔ مگر بہت سے مضا مین ایسے ہیں جن کی روشنی ابھی ہمارے دل و دماغ تک نہیں پہنچی ۔‘‘(۳۷)

دیباچے میں آگے چل کر لکھتے ہیں

:’’ یہ چند مضمون جو لکھے ہیں ،نہیں کہہ سکتا کہ ترجمہ کیے ہیں ،ہاں جو کچھ کانوں نے سنا اور فکرِ مناسب نے زبان کے حوالے کیا ،ہاتھوں نے اسے لکھ دیا ۔‘‘(۳۸)

یہاں آزاد تراجم سے صاف مکر گئے ہیں ۔حالاں کہ ڈاکٹر محمد صادق نے ’’آزاد ۔احوال وآثار ‘‘ کے حوالے سے واضح طور پر سات مضامین جانسن (Johnsan) کے پانچ ،ایڈیسن (addison)کے ایک اور پارنل (parnell)کے ایک مضمون کاعنوان دے کر اُن کے مکمل متون اور آزاد کے تراجم شدہ مضامین ساتھ ساتھ درج کیے ہیں ۔جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آزاد نے کون سا مضمون کس ادیب کا کس عنوان سے ترجمہ کیا۔اگرچہ مضامین میں اسلوب کی تازگی ،شگفتگی اور انفرادیت آزاد کی دین ہے لیکن خیالات ماخوذ ہیں ۔آزاد کی یہی ’’آزادی‘‘ دربار اکبری (۱۸۹۸ء)اور تدوین دیوان ِ ذوق (۱۸۹۱ء ) میں بھی نظر آتی ہے ۔دربار اکبری ،اُردو تاریخ نویسی کی کتاب ہے جس کے لیے مستند مآخذ سے استفادہ لازم ہے اور آزاد نے استفادہ کیابھی لیکن آب حیات کی طرح یہاں بھی اکثر قیاس آرائی سے کام لیا ہے۔ مختلف مناظر اور رزم و بزم کے نقشوں کے علاوہ غیر فطری قیاسی باتیں اور ضعیف روایات بھی ،انشاء پردازی کے زور میں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں ۔‘‘(۳۹) ۔ان ضعیف روایات کی بنا پر دربار اکبری کی تحقیقی و تاریخی وقعت کم ہو گئی ۔تدوین ِ دیوان ِذوق میں بھی آزاد کی جدت ِ اد اور رنگینی اسلوب نے اُن کے اس قدر محنت شاقہ کو مشکوک بنا دیا ۔

’’حافظ ویران کے مرتبہ ’’دیوان ِذوق‘‘ میں ۱۸۳۳ غزلیں ہیں ، آزاد کے مرتبہ دیوان ِذوق میں ۳۴۱۲غزلیں ہیں ۔اس عمل سے آزاد نے ذوق کے سارے کلام کومشکوک بنادیا ۔‘‘(۴۰)آزاد کو کلام ِاستاد پر اصلاح دینے کا ایسا چسکا لگ گیا تھا کہ انھیں ایک مرتبہ کی اصلاح سے سکون قلب حاصل نہ ہوتا تھا ۔لہذا ’’حق شاگردی ‘‘ کی بھرپور ادائیگی کا یہ عمل بار بار جاری رہتا ۔یہی وجہ ہے کہ استاد ذوق کا کوئی شعر اگر ایک سے زیادہ مقامات پر نقل ہوا ہے تو اس کا متن پہلے متن سے مختلف ہے ۔‘‘(۴۱)

بقول ڈاکٹر محمدصادق ستائیس ٖغزلوں اور تین قصائد کے ضمن میں آزاد نے واضح طور پر توضیحی نوٹ لکھے تھے کہ یہ نظر ثانی کے نور سے فیض یاب نہیں ہوئے ۔کیوں کہ بقول ڈاکٹر محمد صادق :

’’آزاد کے پاس ان کے اصلی مسودات ایسی غیر تسلی بخش حالت میں پہنچے کہ ان کا پڑھنا مشکل تھا یا وہ صریحاََ مسخ شدہ یانامکمل تھے ۔بہتر ہوتا کہ وہ ان کو چھوڑ دیتے ،لیکن وہ ان کو گوشہ گمنامی سے نکالنے پر کمر بستہ تھے اس لیے انہوں نے ان کی اصلاح و تہذیب کا تہیہ کیا۔بعض درستیوں ،ترمیموں اور اضافے کے لیے بے شک انہوں نے اپنے حافظے پر بھروسا کیا ہو گا لیکن بعض میں یہ وسیلہ بھی ناکام رہا اور انہوں نے اپنی ادارتی ذمہ داری پر ہی اکتفا نہ کیا ،بلکہ فرطِ جوش سے کئی قدم آگے بڑھ کر ان کو از سر نو لکھ ڈالا ۔بنا بریں ہم اِ سے کلامِ ذوق تسلیم کرنے سے انکار کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ ‘‘(۴۲)

ذوق کے اشعار میں یہ ترمیمات و اضافے آزاد کی تحقیقی حیثیت کو کمزور کر دیتے ہیں ۔

سخن دان فارس (۱۹۰۷ء حصہ اول و دوم ) حصہ اول لغات ، زبانوں کے فلسفے کے اُصول ِ ،سنسکرت ، فارس کی قدیم زبان ،سنسکرت اور فارسی زبانوں کا تقابلی مطالعہ اور دیگر لسانی موضوعات پر مشتمل ہے جبکہ حصہ دوم میں فارسی زبان سے متعلق گیارہ لیکچر شامل ہیں ۔جو مجموعی صورت میں ۱۹۰۷ ء میں آغا محمد ابراہیم نے رفاہ عام پریس سے لاہور سے شائع کیے ۔اس کتاب کی وجہ تصنیف میں ‘ صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج کی اس خواہش کا ذکر کیا ہے کہ ’’ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح اس میں تاریخ زبان اردو کی آپ نے لکھی ہے ایسی ہی تاریخ اور تحقیق زبان فارسی کی ہو کہ اسے فارسی کے کورس میں داخل کردیں ‘‘(۴۳) ۔اور فی الواقعی یہ ’’آب حیات ‘‘ کے طرز کی ہی فارسی تاریخ زبان و ادب کی کتاب ہے ۔جس میں فارسی الفاظ ،اسماء ،افعال ، مصادر ، معانی ،دیگر زبانوں کے الفاظ کے اثرات اور ان سے فارسی الفاظ کے مفاہیم میں تغیّر جیسے اہم اور بنیادی مسائل اٹھائے ہیں ۔

محمد حسین آزاد نے الفاظ کی مبادیات ،اصل ، نسل اور تاریخ کا کھوج لگایا ۔لفظیات اور لغات سے آزاد کی دل چسپی کے حوالے سے ڈاکٹر رئوف پاریکھ لکھتے ہیں :

’’محمد حسین آزاد کا شمار بجا طور پر ان اساتذہ اردو میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو لسانیات کے موضوع پر اولین کام کیے ۔لفظیات اور لغات سے انہیں گہری دل چسپی تھی ۔ان کی کتاب سخن دان فارس اردو میں لسانیات اور تحقیق الفاظ کے موضوع پر پہلی کتاب ہے اردو تقابلی لسانیات کے تو آزاد بانی کہلانے کے مستحق ہیں ۔‘‘(۴۴)

آزاد نے اس کتاب کے حوالے سے بالخصوص اور دیگر کتابوں میں بالعموم سینکڑوں ایسے الفاظ کے مبادیات ،اصوات اور معانی کا ذکر کیا ہے جو فارسی ، سنسکرت ،عربی اور دیگر زبانوں میں معمولی تبدیل ِ اصوات یا الفاظ ایک ہی معانی میں استعمال ہوئے ہیں ۔ بقول ڈاکٹر رئوف پاریکھ :

’’آزاد نے جن فارسی ،عربی اور سنسکرت الفاظ کی اصل ،ان کے اشتقاق ،معنی ، معنی میں تفسیر اور ان کے مرکبات پر اظہارِ خیال کیا ہے وہ کثیر تعداد میں ہیں …تحقیق الفاظ اور ان کی وضاحت کے ضمن میں بھی آزاد کا مخصوص تخیلاتی ، استعاراتی اور محاکاتی انداز موجود ہے ۔خوب صورت نثر میں آزاد نے تحقیق الفاظ کے ضمن میں جو کچھ لکھا وہ ان کی مختلف کتابوں میں بکھرا پڑا ہے ۔‘‘(۴۵)

کیوں کہ الفاظ کے اصل کی تلاش میں تخیل ،مبالغہ آمیزی یا رنگینی ادا کی گنجائش نہیں ہوتی لہذا الفاط کی تحقیق میں آزاد کا کام لسانیات کا بہترین کام گرداناجاتا ہے ۔ڈاکٹر رئوف پاریکھ نئے الف بائی ترتیب کے ساتھ کئی الفاظ دیگر زبانوں کے الفاظ کے ساتھ صوتی و معنوی مماثلتوں کے حوالے سے آزاد کی تحقیق کی اس جہت کی طرف قارئین و ناقدین کی توجہ مبذول کرائی ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔

آزاد کے فارسی شغف کاایک اور مرقع ’’نگارستان ِ فارس ‘‘(۱۹۲۲ء)ہے جو فارسی شعراء کا تذکرہ ہے۔ ڈاکٹر سلیم فرخی لکھتے ہیں :

’’ نگارستان اگر اپنے زمانہ تصنیف کے فوراََ بعد شائع ہو جاتی تو شاید اردو ادب میں اس کی اہمیت دو چند ہوتی لیکن اس کی اشاعت اس وقت ہوئی جب اردو میں شعرالعجم جیسی کتاب شائع ہو چکی تھی …اس وجہ سے نگارستان کی اہمیت بہت کم ہو گئی اور اسے محض آزاد کاایک تبرک سمجھا گیا ۔‘‘(۴۶)

’’ نگارستان ‘‘ پینتیس شعراء کے حلات اور کلام کا مجموعہ ہے ۔جس میں شعراء کی تقدیم و تاخیر کی کوئی ترتیب نہیں ۔ابوالفضل کو بھی فارسی شعراء میں شامل کیا ہے ۔اگرچہ ان کے علاوہ کسی تذکرہ نگار نے ابوالفضل کو فارسی شعراء کی صف میں جگہ نہیں دی ۔نگارستان کے حاشیوں پر آزاد نے اپنے اکثر مآخذ کے نام تحریر کئے ہیں ۔لیکن شعراء کی ترتیب آگے پیچھے کر دی ۔اپنی مرضی و منشاء سے واقعات لکھ دئیے اور ان میں ترامیم و اضافے کر دیے ۔ ضعیف روایات اور تضاد کی مثالیں نگارستان میں بہت ملتی ہیں ۔فردوسی کے حالات میں سترہ صفحے ہیں ۔امیر خسرو کے گیارہ، ابوالفضل کا ترجمہ تیرہ صفحوں پر مشتمل ہے ، علی حزیں کے ترجمے میں انیس صفحے جبکہ سعدی کے حالات میں صرف چھ صفحے ،اسی طرح حافظ شیرازی کے حالات میں محض تین صفحے ۔حزیں اتنے بڑے شاعر نہ تھے کہ انہیں سعدی اور حافظ پر بھی ترجیح دی جاتی ۔(۴۷)یہاں بھی آزاد نے تحقیق و تنقید میں اپنی منشا اور آزاد روی کو مد نظر رکھا ہے ۔اگرچہ ان کی محنت شاقہ ،لگن ،تجسس و تفحص،وسعت مطالعہ میں کوئی کلام نہیں لیکن تخیل پسند فطرت انہیں اپنی جلوہ آرائیوں سے باز نہیں آنے دیتی ۔وہ تحقیق و تنقید میں انشاء پرداز ی ، افسانہ طرازی اور تخیل و رنگینی لے آتے ہیں جو بعد کے محققین اور ناقدین کی نظروں میں کھٹکنے لگتی ہے ۔

آزاد کی یہ تحقیقی و تنقیدی کوتاہیاں اپنی جگہ لیکن ان کے تحقیقی و تنقیدی معیار کو آج کے کڑے تحقیقی معیاروں پر پرکھنا کسی طور جائز نہیں ۔آج کے ناقدین اور محققین آزاد کے ادبی دور میں مراجعت کریں ، اس دور کے دستیاب ادب و نقد کے وسائل دیکھیں ۔اُس عہد کے اد بی تقاضے،معاصر شہادتیں ، دستیاب مآخذ اور استفادے کاانداز دیکھیں تو آزاد محقق ہی ٹھہرتے ہیں ۔اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تحقیق پر انشا پردازی اور تخیّل کے عناصر غالب ہیں ۔

\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_

حوالے اور حواشی :

(۱) محمد صادق ،ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔احوال و آثار، لاہور:مجلس ترقی ادب ،نومبر ۱۹۷۶ء، طبع اول ،ص۱۲

(۲) اسلم فرخی ،ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔حیات و تصانیف، حصّہ اول حیات ، کراچی :انجمن ترقی اردو پاکستان ، ۱۹۶۵ء، اشاعت اول ،ص۸۲۷

(۳) ایضاً ، ص۸۱

(۴) ایضاً ، ص۸۲

(۵) محمد حسین آزاد دہلوی، دیوان ذوق، (مولفہ ) ،لاہور : مطبع رفاہ عام،۱۹۲۲ء، ص۲۷

(۶) اسلم فرخی ، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔حیات و تصانیف، حصّہ اول حیات ، ۱۱۷

(۷) ایضاً ، ص۱۲۴

(۸) ایضاً ، ص۱۴۷- ۱۴۸

(۹) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، جلد چہارم ،لاہور :یونی ورسٹی آف پنجاب ،۱۹۷۲ء، طبع اول ، ص۱۱۹

(۱۰) ایضاً ، ص۱۱۹

(۱۱) اکرام چغتائی، محمد حسین آزاد (نئے دریافت شدہ مآخذ کی روشنی میں )، لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص۲۴

(۱۲) مظفر عباس ،ڈاکٹر، ’’مولانا آزاد کا عالم وارفتگی‘‘ مشمولہ راوی -۷۲، محمد حسین آزاد نمبر، ۱۹۸۳ء ،یکم اکتوبر ۱۹۸۳، ص۲۷۰

(۱۳) تبسم کاشمیری ،ڈاکٹر ’’آزاد کا عالم دیوانگی ‘‘، مشمولہ اوراق ، ۱۹۸۱ء ،ص۱۰

(۱۴) عبدالودود،قاضی، محمد حسین آزاد ۔بحیثیت محقق، پٹنہ :ادارہ تحقیقات اردو،۱۹۸۴ء، اشاعت دوم ، ص۱

(۱۵) محمد صادق ،ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔احوال و آثار، ص۱۴۴

(۱۶) ایضاً ، ص۱۴۵

(۱۷) سلیم اختر، ڈاکٹر کے ساتھ ٹیلی فون پر گفتگو ۲۲نومبر ۲۰۱۳ء، (شام چھ بجے )

(۱۸) مسعود حسین رضوی ادیب، سیّد، پروفیسر، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ :کتاب نگر دین دیال روڈ ،۱۹۵۳ء ، بار اوّل، ص۷۴-۷۵

(۱۹) محمد صادق ،ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔احوال و آثار ،ص۸۴

(۲۰) محمد حسین آزاد ،مولانا، آب حیات، لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز ،۲۰۰۰ء ،ص۷

(۲۱) ایضاً ، ص۸

(۲۲) یہ مواد ڈاکٹر محمد صادق کی تصنیف محمد حسین آزاد ۔احوال وآثار، ص ۸۶-۸۷ سے لیا گیاہے ۔

(۲۳) مسعود حسن رضوی ادیب ، سیّد ،مقدمہ ، فیض میر ،لکھنؤ :س۔ن، ،ص۵

(۲۴) مظہر محمود شیرانی ،ڈاکٹر، حافظ محمودشیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اوّل ۔ لاہور :مجلس ترقی ادب کلب روڈ، جون ۱۹۹۳ء ،طبع اوّل،ص۳۸۶

(۲۵) ایضاً ، ص۳۸۷

(۲۶) ایضاً ، ص۳۸۷

(۲۷) یہ اعتراضات ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی کتاب، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اوّل ص ۳۸۹تا ۴۱۵سے درج کیے گئے ہیں ۔

(۲۸) عبدالحق ،مولوی ،سہ ماہی اُردو ،جنوری ۱۹۳۳ء،ص۱۱۹-۱۲۰

(۲۹) مسعود حسین رضوی ادیب ،سیّد ،پروفیسر، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ ،ص۸۰-۸۱

(۳۰) ابرار عبدالسلام ،ڈاکٹر ’’آب حیات میں آزاد کی اصلاحیں …ایک تحقیقی مطالعہ ‘‘ مشمولہ تحقیق، جام شورو ،۱۶، ۲۰۰۸ء،ص۵۲۸

(۳۱) ایضاً ، ص۵۳۱

(۳۲) یہ خطوط مکمل متون کے ساتھ ڈاکٹر محمد صادق کی کتاب ،محمد حسین آزاد ۔احوال و آثار ، ص ۲۲۸ تا ۲۴۰ موجود ہیں ۔

(۳۳) محمد صادق ،ڈاکٹر ’’محمد حسین آزاد ‘‘، مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ( جلد چہارم)، لاہور :پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۱۰ء،طبع دوم،ص۱۳۵

(۳۴) جمیل جالبی ،ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد چہارم، لاہور:مجلس ترقی ادب ،فروری ۲۰۱۲ء،اشاعت اوّل،ص ۱۰۱۹

(۳۵) محمد منور ،پروفیسر ’’محمد حسین آزاد ۔صاحب طرز نثر نگار ‘‘ مشمولہ راوی ۷۲، محمد حسین آزاد نمبر،یکم اکتوبر ۱۹۸۳ء،ص۸۱

(۳۶ ) ایضاً ، ص۸۵

( ۳۷) محمد حسین آزاد ،مولانا، نیرنگ خیال ،لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز ،۲۰۰۷ء،۴۵

(۳۸) ایضاً ، ۴۷

(۳۹) جمیل جالبی ،ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد چہارم،لاہور :مجلس ترقی ادب ،فروری ۲۰۱۲ء ،اشاعت اوّل ،۱۰۴۱

(۴۰) ایضاً ، ص۱۰۱۱

(۴۱) ابرار عبدالسلام ،ڈاکٹر ’’آب حیات میں آزاد کی اصلاحیں … ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ تحقیق، جام شورو، ۱۶، ۲۰۰۸ء، ص۵۳۴

(۴۲) محمد صادق، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔احوال و آثار، لاہور :مجلس ترقی ادب ،کلب روڈ ، نومبر ۱۹۷۶ء، طبع اوّل، ص۲۶۹

(۴۳) اسلم فرخی، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد ۔حیات اور تصانیف، حصّہ دوم۔ تصانیف، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۶۵ء، اشاعت اوّل، ص۳۷۴

( ۴۴) رئوف پاریکھ ،ڈاکٹر، ’’آزاد اور تحقیق لغات‘‘ مشمولہ، آزاد صدی مقالات، لاہور :شعبہ اردو ،پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، ۲۰۱۰ء، طبع اوّل، ص۲۶۰

(۴۵) ایضاً ، ص۲۶۱

(۴۶) ایضاً ، ص۴۵۹

(۴۷) یہ معلومات ڈاکٹر اسلم فرخی کی تصنیف محمد حسین آزاد ،حیات و تصانیف، حصہ دوم ص ۴۶۳-۴۶۴ سے لی گئی ہیں ۔

/....../